

انسانی حقوق اور تعلیماتِ نبویؐ

۵۔ معاشرتی حقوق :

اسلام معاشرہ کے افراد میں اونچ نیچ کا قائل نہیں، بلکہ مساوات کا حامی ہے۔ ارشاد

باری تعالیٰ ہے :

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ — الآية ۱“

(الحجرات : ۱۳)

”لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قومیں اور

قبیلے بنائے، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے، جو زیادہ متقی ہو!“

انسان کے اس فطری حق کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے خطبہٴ حجۃ الوداع

میں یوں وضاحت فرمائی :

”إِنَّهَا النَّاسُ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ“ (مسند احمد)

”لوگو! بلاشبہ تم سب کا رب ایک اور باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدم کی

اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے — سن رکھو! کسی عربی کو عجمی

پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، نہ ہی کسی گورے کو کالے

پر اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت اگر

ہو سکتی ہے تو صرف تقویٰ کی بناء پر ہو سکتی ہے!

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے قومیت پرستی، وطنیت پرستی اور کوئی اختلافات و فسادات کی جڑ کاٹ جاتی ہے، جو آج کل بین الاقوامی اور بین المملکتی فسادات نیز جنگ و جدال کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

پھر اس سلسلہ میں آپ کا اندازِ تربیت بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ ایک جلیل القدر صحابی اور سابقون الاولون میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان سے خصوصی پیار بھی تھا۔ حضرت ابوذرؓ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نفع ایک شخص کو بڑا جلا کہا اور اس کی ماں کو گالی دے، تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا:

”یا اباذر غیثہ! ما یمہ انتک امرء فیک امر الجاہلیۃ“

”اے ابوذر! تو نے اسے (حضرت بلالؓ کو) اس کی ماں سے عار دلائی ہے۔ تو ایسا شخص ہے جس میں ابھی تک جاہلیت کا اثر باقی ہے!“

۶۔ معاشی حقوق:

سرمایہ دارانہ نظام میں معاشی حقوق کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، خواہ اس بناء پر معاشرہ کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچے۔ اس کے اخلاق تباہ ہوں، بے حیائی اور فحاشی کو فروغ ملے! مثلاً لوگوں کو گندم کی ضرورت ہو، لیکن سرمایہ دار یہ سمجھے کہ اس وقت اسے شراب بنانے میں زیادہ فائدہ ہے تو وہ شراب ہی ہیا کرے گا اور حکومت اس پر کوئی گرفت نہ کرے گی۔ اس کے برعکس اشتراکیت میں یہ حقوق یکسر چھین لیے گئے ہیں۔ چنانچہ ہر شخص کے لیے کاروبار حکومت خود تجویز کرتی ہے، اور اسے بس ایک مشین کی طرح وہ کام کرنا پڑتا ہے۔

اے یہ شخص حضرت بلالؓ تھے۔ اور حضرت ابوذرؓ نے جو ماں کی گالی دی، وہ صرف یہ تھی کہ انھوں نے کہا تھا، ”اے کالی ماں کے بیٹے!“۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر جب ناراضگی کا اظہار فرمایا تو حضرت ابوذرؓ نے حضرت بلالؓ سے معافی مانگی اور اپنا گال زمین پر رکھ کر کہنے لگے، ”اس وقت تک اپنا گال نہ اٹھاؤں گا، جب تک بلالؓ اپنے پاؤں سے نہ روندیں۔“ (وحید الزمان معجم بخاری)

اسلام میں اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے مگر چند در چند پابندیوں کے ساتھ۔ مثلاً جو چیزیں شریعت نے حرام قرار دی ہیں، ان کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ چنانچہ شراب نوشی اگر حرام ہے تو شراب فروشی بھی حرام ہے۔ اگر مردار حرام ہے، تو اس کی کسی بھی چیز کو نہ فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی خود اس سے کچھ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ پوری، ڈاکر، غصب، رشوت، رہزنی وغیرہ، اور ان سے حاصل شدہ مال بھی حرام ہے۔

حرام اشیاء میں سرفہرست سود ہے۔ سود اور اس کی تمام شکلوں کو—خواہ یہ مہاجنی قرضے ہوں یا کرشل انٹرسٹ، سود مفرد ہو مرکب یا ڈس کاؤنٹ (منی کاٹا) یا مارک آپ اور مارک ڈاؤن—شریعت نے نہ صرف حرام، بلکہ اسے اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کے مترادف قرار دیا ہے۔ کیوں کہ طبقاتی تقسیم جس قدر سود سے بڑھتی ہے، اور کسی چیز سے نہیں بڑھتی، جو بالآخر فتنہ و فساد اور لوٹ مار پر منتج ہوتی ہے۔ سود چونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا ہے، اس لیے اس کی کوکھ سے اس کی دوسری انتہا اشتراکیت نے جنم لیا—سود کی حرمت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں بالخصوص اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

”وَرَبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَقْلَرَبَا أَضْعَ مِنْ رَبَانَا رَبَا عِبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمَطْلَبِ فَانَّهُ مَوْضُوعٌ كَلَّةٌ“

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

”دورِ جاہلیت کا سود موقوف کیا جاتا ہے۔ اور پہلا سود جو میں تمام کا تمام موقوف کرتا ہوں، وہ اپنے قبیلہ میں سے عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے!“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے حقیقی چچا تھے، جو تجارت کے لیے رقم سود پر دیا کرتے تھے۔ گویا آپ نے اس اصلاح کا آغاز اپنے گھر سے کر کے سود ہنزیرۃ العرب سے خاتمہ کر دیا۔

اسلام انسان کی کمائی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، ایک حلال، دوسرا حرام! حرام کمائی کی تمام تر تفصیلات کتاب و سنت میں مذکور ہیں۔ اس حرام کمائی سے بچتے ہوئے ہر انسان پیشہ کا انتخاب نیز کمائی کے ذرائع کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔ اور اس طرح جتنی

بھی دولت وہ کما لے، یہ اس کی جائز آمدنی اور اس کی ملکیت ہوگی۔

تاہم اس جائز کمائی پر بھی کچھ پابندیاں عائد ہیں۔ اسلام مال کو ضائع کرنے، دولت کے بے جا استعمال اور عیاشانہ زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ اس نے اس آمدنی میں زکوٰۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کی صورت میں دوسروں کے حقوق کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ یوں معاشرہ کے محروم طبقات کو ان کا حق بھی مل جاتا ہے، دولت میں گردش بھی ہوتی ہے، اور معاشرہ فساد و بدامنی کا شکار بھی نہیں ہوتا۔ نیز طبقاتی تقسیم میں از خود نمایاں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

۷۔ سیاسی حقوق :

آج کل سیاسی حقوق کا بڑا چرچا ہے۔ ہر بالغ انسان کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، رائے دہی کا حق حاصل ہے، اور مملکت کا ہر شہری بلا تخصیص مرد و زن بڑے سے بڑے سرکاری منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔ اسلام ایسے غیر مشروط سیاسی حقوق کا قائل نہیں ہے۔ اسلام نے عورت کو سیاسی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ جب وہ اپنے گھر کی سربراہ بھی نہیں بن سکتی، تو ایک علاقہ یا ملک کی کیسے بن سکتی ہے؟ نیز اسلامی نقطہ نظر سے ہر ایسے غیر منتخب شخص سے رائے طلب کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ رائے صرف اس شخص سے لی جائے گی، جو اس کا اہل ہو۔ حیرت کی بات ہے کہ ہم اپنے ذاتی امور میں تو رائے صرف اس شخص سے لیتے ہیں، جسے اس کا اہل سمجھتے ہیں۔ ہر کسی سے نہ مشورہ کرتے ہیں نہ رائے لیتے ہیں، تو پھر کیا امور مملکت ہی ایسے گئے گزرے معاملات ہیں کہ ان کے بارے میں اس پابندی کو یکسر ختم کر دیا جائے؟

سیاسی امور میں اسلام باہمی مشورہ کی تاکید کرتا ہے، اور رائے دہی کا حق بھی دیتا ہے۔ مگر رائے دہی پر پابندیاں یہ ہیں کہ وہ مسلمان ہو، کم از کم نماز اور زکوٰۃ ادا کرتا ہو، سمجھ دار ہو اور کوئی ایسا جرم نہ کر چکا ہو، جس کی بناء پر اس کی شہادت ناقابل قبول ہو۔ ایسے لوگوں سے غلیفہ کے انتخاب میں رائے لی جاسکتی ہے۔ اور مناصب کے لیے چند شرائط بھی ہیں، جیسے علوم شریعت سے واقفیت اور تقویٰ وغیرہ۔

جمہوریت میں عہدہ یا منصب کے حصول کو ہر فرد کا حق قرار دیا گیا ہے، جبکہ شرعی

نقطہ نظر سے یہ حق نہیں، بلکہ ایک گراں بار ذمہ داری ہے۔ اسی لیے عہدہ کی طلب کو مذہب قرار دیا گیا ہے۔

۸۔ عدل و انصاف کا حق:

ہر شہری کا یہ حق ہے کہ اسے عدل و انصاف مہیا ہو، مفت مہیا ہو اور بلا تاخیر مہیا ہو۔ اور یہ حق اس قدر اہم ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”إِنَّمَا أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ
اللَّهُ - الْآيَةُ ۱“
(النساء: ۵۵)

”اے پیغمبر، ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے، تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کریں۔“

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں جتنے فیصلے فرمائے، ان میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی تھیں۔ عدل و انصاف میں تاخیر بذات خود بہت بڑا ظلم ہے۔ اب ہمارے ہاں عدالتوں کا جو حال ہے، وہ خود ملاحظہ فرمائیے۔ عدل و انصاف کا حصول انتہائی مہنگا ہے، اور فوجداری مقدمات پر بھی سال ہا سال لگ جاتے ہیں۔ دیوانی مقدمات کا تو اور بھی بڑا حال ہے۔ ایک غریب آدمی کے لیے عدل و انصاف کا حصول تقریباً ناممکن بن چکا ہے۔ ہماری عدالتوں کے اس طریق کار کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ جرائم کی تعداد میں دم بدم اضافہ ہو رہا ہے، اور معاشرہ میں امن و امان کی صورت پریشان کن بن چکی ہے۔

اسلامی قانون کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہاں قانون ساز خود اللہ تعالیٰ ہے، جس کی نظر میں شاہ و گدا، امیر و غریب، آقا و غلام سب برابر ہیں، لہذا شرعی قانون سب پر ایک ہی جیسا لاگو ہے۔ اسلام کی یہی وہ صفت ہے جو اسے دوسرے تمام نظامہائے حیات سے ممتاز کر دیتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دوسرے تمام نظاموں میں قانونی مالیت یا تو کسی ایک انسان کی ہوتی ہے یا کسی ادارہ یا پارلیمنٹ کی۔ ایسے حاکم یا قانون ساز ادارے اپنے آپ کو ہر حال قانون کی گرفت میں آنے سے بچائے رکھتے ہیں۔

۹۔ آزادی رائے کا حق:

آزادی رائے اگر معقول حدود میں ہو تو مثبت نتائج پیدا کرتی ہے، اور یہ بے لگام و بے مہار ہو تو یہ ہزاروں فتنے پیدا کر کے مملکت کی سرحدوں کو کمزور کرتی رہتی ہے جس کے نتیجہ میں وقتاً فوقتاً حکومتوں کو اس لامحدود آزادی کو مختلف پابندیوں اور اخلاقی ضابطوں سے محدود کرنا پڑتا ہے۔

اسلام نے آزادی رائے کو جائز اور لازم قرار دیا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق ہو۔ خلفائے راشدینؓ کے دور میں ہر مسلمان کو آزادی رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کا پورا پورا حق حاصل تھا، جسے وہ اپنا دینی فریضہ تصور کرتا تھا، تاکہ عوام کو ان کے جائز حقوق مل سکیں اور ملک میں نیکی کی حوصلہ افزائی اور برائی کا استیصال ہو۔ یہاں یہ حق کسی خاص جماعت یعنی حزب اختلاف کو نہیں کہ وہ حکومت کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرے اور اس کے اچھے کاموں کی بھی مذمت کرتی رہے۔ کیونکہ اسلامی شوریٰ میں باقاعدہ حزب اختلاف کا وجود ہی نہیں ہوتا۔

تاریخ اسلام میں کئی ایسے واقعات مذکور ہیں کہ عام مسلمانوں نے خلفاء پر گرفت کی اور انھوں نے اسے تسلیم ہی نہ کیا، بلکہ اس جذبہ تنقید کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔ ایسے واقعات کا اس مختصر مقالہ میں ذکر کرنا بہت مشکل ہے۔

(جاری ہے)

- حریم کی توسیع اشاعت کے لیے کوشش آپ کا دینی، اخلاقی فریضہ ہے۔
- پانچ مستقل خریدار مہیا کرنے پر ایک سال کے لیے ”حریم“ مفت جاری کیا جائے گا۔
- اجنسی ہولڈر حضرات اپنے آرڈر جلد بک کرائیں، معقول کمیشن دیا جائے گا۔

شکریہ!

(مینجر ”حریم“)